تفسیر بالرائے کا آغاز و ارتقاء: ایک تحقیقی جائزہ

The Beginning and the Evolution of Tafsir Bil-Ra'ay: A Research Review

*ڈاکٹر محمد حسین

**ڈاکٹر محسن علی

ABSTRACT

Ilm-e-Tafsir is such a science that tries to understand the Holy Book of Allah, The Quran, which was revealed on His last Prophet Hazrat Muhammad PBUH. Another word that is used for the elaboration of the words of the Holy Quran is "*Ta'weel*". The earlier scholars considered the word "*Tafsir*" a synonym of "*Ta'weel*". Whereas the later scholars, considered "*tafseer*" as narration and "*ta'weel*" as derivation. In fact, derivation and narration are both interconnected. Accepting the narration without derivation is a cause of going astray. Principally two kinds of "*tafseer*" are stated i.e., "*Tafsir bil Ma'soor*" and "*Tafsir Bil Ra'ay*". "*Tafsir bil Masoor*" is a *tafseer* that consists of copied material whereas "*Tafsir Bil Ra'ay*" comprises derived material. The use of narration in "*tafseer*" started in the era of the companions of Holy Prophet PBUH and their narrations are known as "'Aasar". Afterward, with the expansion of the Muslim empire beyond Madinah and with so many people embracing Islam, a (geographical) distance was felt among people from the companions of Holy Prophet PBUH. Hence the need for "*Ijtehad*" was felt by the people. This was an important reason for the use of narration in "*tafseer*" written subsequently. As far as the organization of these narrations is concerned, the oral narrations were spread far and wide through companions of Holy Prophet PBUH and their acquaintance in the Muslim empire before the end of the first Hijri century.

KEY WORDS:

Tafsir bil Ra'ay, Quran, Quranic Commentary, Ta'weel

لغوی لحاظ سے لفظ تفسیر باب تفعیل سے ہے جس کے معنی واضح کرنا، ظاہر کرنا، کھول دینا، بے حجاب کر دینا اور وضاحت کرنے کے ہیں۔ باب تفعیل کی وجہ سے معنی میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اسی لیے الفاظ قرآنیہ کی وضاحت و تشریح

*اسسٹنٹ پروفیسر، ڈویژن برائے سائنس و ٹیکنالوجی، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، ٹاؤن شپ، لاہور

**صدر شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، خانیوال

کے لیے بھی تفسیر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا مادہ ”فسر“ باب نصر اور ضرب دونوں کے وزن پر آتا ہے۔ جو ڈھکی ہوئی چیز کو ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ علمائے لغت کے نزدیک فسر کا معنی طبیب کا پیشاب کی طرف دیکھ کر مرض کی تشخیص کرنا اور تفسیر اس پیشاب کو کہتے ہیں جو مرض پر دلالت کرتا ہے اور اطباء اس میں بغور دیکھ کر مرض کی تشخیص کرتے ہیں۔^۱

اسی سے پھر تفسیر نکلا ہے جس کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں:

”الفسر كشف المغطى والتفسير كشف المراد عن اللفظ المشكل.“^۲

”فسر کے معنی ہیں کسی پوشیدہ چیز سے پردہ اٹھانا اور تفسیر کے معنی ہیں کسی مشکل لفظ کے مفہوم و مراد کو ظاہر کرنا۔“

لغوی اعتبار سے تو تفسیر کا اطلاق ہر قسم کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کی اصطلاح میں لفظ تفسیر قرآن کی تشریح و توضیح کے ساتھ مخصوص ہے یہاں تک کہ حدیث رسول کی تشریح کو بھی تفسیر نہیں کہا جاتا بلکہ شرح الحدیث کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات کی وضاحت کرنے والے کو مفسر کہا جاتا ہے اور حدیث کی وضاحت کرنے والے کو شارح کہا جاتا ہے اگرچہ شارحین حدیث پر مفسرین کا اطلاق اور مفسرین قرآن پر شارحین کا اطلاق شرعاً یا لغتاً ممنوع نہیں ہے۔ لیکن امت مسلمہ میں یہ اطلاق بالعموم مروج نہیں رہا۔ قرآنی الفاظ کی وضاحت کے لیے ایک اور لفظ تاویل بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

”تاویل“ باب تفعیل سے مصدر کا صیغہ ہے جس کا آخذ ”اول“ ہے جو آل یول کے باب سے مصدر کا صیغہ ہے جس کے معنی ”رجوع“ یعنی لوٹنا اور باب تفعیل چونکہ متعدی ہے اس لیے ”تاویل“ کے لغوی معنی لوٹانا کے ہیں۔ تفسیر کو روایت یا نقل و سماع پر محمول کیا جاتا ہے اور تاویل کو درایت یا استنباط و اجتہاد سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ روایت و درایت کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ روایات و آثار کو درایت کے بغیر قبول کرنا اور اسی طرح استنباط و اجتہاد، روایات و آثار اور نقل و سماع سے مستغنی ہو کر نازلین اور گمراہی کا باعث ہے۔ تفسیر کے باب میں روایات و آثار اور نقل و سماع کی روشنی میں کام لینا سلامتی کا راستہ ہے۔

صحابہ و تابعین کے تفسیری اقوال، جن کو عموماً تفسیر بالمآثور یا تفسیر بالمنقول کہا جاتا ہے، کی ایک بڑی تعداد نبی کریم ﷺ سے مسوع نہیں بلکہ ان کے استنباط و استخراج کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں باہمی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ اختلاف تضاد اور تناقض کا نہیں بلکہ تنوع کا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال جو قرآن کریم کی تفسیر و بیان ہیں کو ضبط و محفوظ کر کے تفسیر و تاویل کے قواعد صحیحہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کلام میں تدبر و تفکر کیا ہے۔ لہذا صحابہ و تابعین کے اقوال محض تفسیر بالمنقول نہیں بلکہ نقل و استنباط اور روایت و درایت کا امتزاج ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی:

”اللہم فقهہ فی الدین وعلمہ التأویل“³

”اے اللہ اس کو دین کی فقہت اور تاویل سکھلا۔“

تفسیر کی اقسام اور ان کا مقام و مرتبہ

متقدمین علماء کے ہاں تفسیر کی الگ الگ تقسیم (یعنی ماثور اور رائے) کم ہی دیکھنے میں ملتی ہے۔ جب تفسیر باقاعدہ ایک علم کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے تو پھر اس کی تقسیمات بھی کی جاتی ہیں۔ پھر بعض علماء اس کو عقلی اور نقلی کا نام دیتے ہیں اور بعض علماء اس کو ماثور اور رائے کے نام سے جانتے ہیں۔ ذیل میں تفسیر کی کئی اقسام ہیں اور کون کون سی ہیں نیز ان کی تعریفات اور احکامات کو بیان کیا جاتا ہے۔ علامہ زر قانی لکھتے ہیں کہ:

”التفسیر باعتبار آخر الی ثلاثة اقسام ”تفسیر بالروایة“ ویسعی التفسیر بالماثور

وتفسیر بالدراية ویسعی بالرأي وتفسیر بالإشارة ویسعی التفسیر الاشاري۔“⁴

”تفسیر کی تین اقسام ہیں۔ تفسیر بالروایت، اس کو تفسیر بالماثور کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ تفسیر بالدرایت، اس کو تفسیر بالرائے کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ تفسیر بالاشارہ، اس کو تفسیر اشاری کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔“

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

”قرآن کی تفسیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کی تفسیر منقول کے ساتھ آئے۔ دوسری جس کی

تفسیر منقول کے ساتھ نہیں آئی۔ جس حصہ قرآن کی تفسیر بذریعہ نقل وارد ہوئی ہے یا اس نقل کا

تعلق نبی ﷺ سے ہے یا صحابہؓ سے اور بڑے نامی تابعین سے اور وہ حصہ قرآن جس کے بارے

میں کوئی نقل (اثر و حدیث) ہی نہیں آئی وہ بہت تھوڑا ہے اور اس کے فہم تک رسائی حاصل

کرنے کا طریقہ لغت عرب کے مفرد لفظوں کی طرف، ان کے مدلولات کی جانب اور ان کے

سیاق کلام پر غور و فکر کرنا ہے۔“⁵

تفسیر منقول یا تفسیر بالماثور

تفسیر بالماثور سے مراد ایسی تفسیر ہے جس میں کسی آیت کا مفہوم قرآن کی کسی دوسری آیت سے یا احادیث مبارکہ

سے یا صحابہ کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا جائے۔ اس میں چونکہ صرف اقوال کو نقل کیا جاتا ہے، اپنی آراء کا استعمال

نہیں کیا جاتا اس لیے اس تفسیر کو ”منقول تفسیر“ بھی کہتے ہیں۔ تفسیر بالماثور کی تعریف کرتے ہوئے علامہ زر قانی لکھتے

ہیں:

”هو ما جاء في القرآن او السنة او كلام الصحابة بياناً لمراد الله تعالى من كتابه۔“⁶

”کتاب اللہ کے بیان میں سنت رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام کے مروی اقوال کو تفسیر بالمأثور کہتے ہیں۔“

تفسیر بالرأی

علمائے تفسیر کے ہاں یہ قسم تفسیر بالرأی یا تفسیر بالمعقول سے موسوم ہے۔ رائے سے مراد یہاں وہ اجتہاد ہے جو صحیح اصولوں اور درست رائج قواعد پر مبنی ہو اس سے مراد صرف رائے یا محض خواہش نفس یا قرآن کی تفسیر ان خیالات کے مطابق کرنا جو انسان کے دل میں آئے یا اپنی وجاہت کے مطابق کرنا مراد نہیں ہے۔ حضرات صحابہؓ کا یہ دستور تھا کہ جب انہیں کسی آیت کی تفسیر نہ قرآن میں اور نہ آنحضور ﷺ کے ارشادات گرامی میں ملتی تو وہ اپنی رائے و اجتہاد کی جانب رجوع کرتے تھے۔ یہ ایسی آیت کے ضمن میں ہوتا جہاں نظر و فکر کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس طور پر علماء نے تفسیر بالرأی کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ ایک وہ تفسیر جو قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق کی جائے۔ جس میں محض عقل پر ہی انحصار نہ کیا گیا ہو اس کو تفسیر محمود کا نام دیا گیا ہے اور جو قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے محض اپنی خواہشات نفس سے کی جائے اس کو تفسیر مذموم کے نام سے گردانا گیا ہے۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تفسیر بالرأی کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو قرآن مجید میں ایسی بات کرتا ہے جو اس کے وہم میں پیدا ہو یا اس کے دل پر گزرے اس اصول پر سے استدلال کئے بغیر تو وہ شخص خطاکار اور قابل مذمت ہے۔ اس پر اس حدیث کو محمول کیا جائے گا:

”من قال في القرآن برأيه فأصاب فقد أخطأ۔“⁷

”جس نے قرآن مجید میں اپنی رائے سے بات کی اور سچ کہا تحقیق اس نے غلطی کی۔“

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی دو تفسیریں ہیں۔

(۱)۔ جو قرآن مجید کے مشکل مواضع میں ایسی بات کہے جو صحابہ و تابعین کے مذہب سے معروف نہیں تو ایسا شخص اللہ کی ناراضگی کو مول لینے والا ہے۔

(۲) قرآن مجید میں ایسا قول کرے کہ یہ جاننا ہو کہ حق اس کے علاوہ میں ہے تو اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

علامہ قرطبی نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دوسرا زیادہ ثابت اور معنی کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ حضرت جندبؓ کی حدیث کو بعض اہل علم نے اس بات پر محمول کیا ہے کہ اس میں ”رائے“ سے مراد ”خواہش“ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس نے قرآن مجید میں اپنی خواہش کے موافق ایسا قول بیان کیا جس کی تائید ائمہ سلف کے اقوال سے نہیں ہوتی اگر وہ درست بھی ہو تب بھی وہ خطاکار ہے۔ جس کی وجہ اپنی طرف سے قرآن

مجید میں ایسا حکم لگانا جس کی اصل کو وہ نہیں جانتا اور نہ ہی اہل اثر اور اہل نقل کے مذہب کو اس معاملے میں جانتا ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی سے کتاب اللہ میں سے کسی معنی سے متعلق سوال کیا جائے تو جس چیز کو علماء نے بیان کیا اور تو انین علم نحو اور اصول جس کا تقاضا کرتے ہیں، اس میں نظر کئے بغیر ہی اپنی رائے سے اس سوال کے جواب کے لیے کود پڑے اور یہ بات اس حدیث میں داخل نہیں کہ لغوی لغت کی تفسیر کریں، نحوی نحو کی تفسیر اور فقہاء اس قرآن کے معانی و احکام کی اور ان میں سے ہر شخص کوئی بات اپنے اس اجتہاد سے کرے جو علم و نظر کے تو انین پر مبنی ہو کیونکہ اس طرح قول کرنے والا شخص محض اپنی رائے سے قول کرنے والا نہیں ہوتا۔⁸

تفسیر بالرائے کے بارے میں علماء نے مختلف آراء کا اظہار کیا ہے بعض اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض جائز مگر ان کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ تفسیر بالرائے کی وہ قسم حرام ہے جس میں بلا دلیل و ثوق کے ساتھ کہا جائے کہ خدا کی مراد یہ ہے یا یہ کہ مفسر قواعد اور اصول تشریح سے بے گانہ ہونے کے باوجود تفسیر قرآن کی جسارت کرے یا بدعات اور اپنی ذاتی خواہشات کی تائید میں توڑ مروڑ کر قرآنی آیات کو پیش کرے۔ جب مفسر میں مطلوبہ شرائط موجود ہوں تو تفسیر بالرائے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ قرآن خود تدبر آیات اور تعلیمات کے فہم و ادراک میں اجتہاد کی دعوت دیتا ہے۔ لہذا اس رو سے تفسیر بالرائے کی دو اقسام بنیں گی۔ ایک وہ تفسیر جو اصول و ضوابط اور قرآن و سنت کو مد نظر رکھ کر کی جائے اور دوسری وہ تفسیر ہوگی جو ان اصول و تو انین سے بالاتر ہو کر محض اپنی خواہشات کے حصول کے لیے جائے۔ اس لیے قسم اول کی تفسیر محمود اور قسم ثانی مذموم کہلائی گی اور دونوں کے احکامات بھی الگ الگ ہوں گے۔

اللہ رب العزت کی یہ سنت ہے کہ اس نے ہر امت کی زبان میں رسول مبعوث فرمایا تاکہ وہ ہر طریقے سے ان کے ساتھ گفتگو کر سکے۔ جیسے کہ اس آیت میں ارشاد فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ⁹

”ہم نے ہر قوم کی بولی میں ہی رسول بھیجا تاکہ وہ ان کے لئے بیان فرمائے۔“

اس رسول پر نازل ہونے والی کتاب بھی انہی کی زبان میں ہوتی تھی اور محمد ﷺ چونکہ عربی تھے اس لئے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب بھی عربی زبان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا تَعَلَّمُكُمْ تَعْقِلُونَ¹⁰

”ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے تاکہ تم سمجھو۔“

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ بِلِسَانٍ

عَرَبِيٍّ مُبِينٍ¹¹

”بے شک قرآن کریم رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین (جبرائیل علیہ السلام) اسے لے کر نازل ہوئے۔ اسے آپ کے دل پر نازل کیا گیا تاکہ آپ تنبیہ فرمائیں۔ اسے واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔“

قرآن کریم کے الفاظ عربی ہیں۔ قرآن کریم کے معانی کے تمام پہلو معانی کے ان طریقوں کے مطابق ہیں جو عربوں کے ہاں پائے جاتے تھے۔ صرف چند الفاظ ایسے ہیں جن کے بارے میں اہل علم کا نقطہ نظر ہے کہ ان کا تعلق عربی لغت کے علاوہ دوسری زبان سے ہے اور انہیں عربی میں استعمال کیا جاتا تھا۔

تفسیر ایک ایسا علم ہے جس کی استطاعت وہی شخص رکھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم و فہم سے نوازا ہو اور اس کے قلب و نظر کے پردے ہٹا دیئے ہوں اور حقیقت کو اس پر منکشف کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حقیقت قرآن کو حضور اکرم ﷺ پر منکشف فرمایا۔ تو جب نبی کریم ﷺ صحابہؓ کے درمیان موجود رہے اس وقت تک کتاب اللہ کی تفسیر کا مرجع بھی آپ ﷺ ہی تھے۔ چنانچہ صحابہؓ کو جو اشکال پیش آتا یا قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر کی ضرورت پیش آتی تو آپ ﷺ کے پاس جاتے اور آپ ﷺ سے پوچھ لیتے اور آپ ﷺ اس کی شافی تفسیر بیان فرمادیتے۔ لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد جب اسلامی سلطنت نے شرقاً غرباً اپنے پر پھیلانا شروع کر دیئے اور لوگ جو ق در جو ق اسلام کی آغوش میں آنے لگے تو وہ اہل عجم جنہیں صحبت نبی ﷺ حاصل نہ ہو سکی انہیں کتاب و سنت کے سمجھنے میں دشواری کا سامنا تھا تو ان لوگوں نے اپنی تشفی کے لیے خلفاء راشدین اور کبار صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کیا اس لیے کہ یہی وہ ستارے تھے جو بھٹکے ہوئے راہی کی صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔ سنن ترمذی کی روایت کے مطابق قرآن فہمی امت کے لیے انتہائی ضروری ہے اس لیے کہ:

”قرآن ہی خدا کی مضبوط رسی ہے وہی ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے نہ تو خواہشات اس میں کچھ پیدا کر سکتی ہیں نہ ہی زبانیں تردد میں ڈال سکتی ہیں۔ تکرار سے وہ پرانا نہیں ہوتا نہ ہی اس کے عجائبات ختم ہوتے ہیں۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے جو کوئی اس کے مطابق کہتا ہے سچ کہتا ہے جو کوئی اس کے مطابق چلتا ہے اجر پاتا ہے، جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے عدل برتا ہے جو کوئی اس کی طرف دعوت دیتا ہے در حقیقت صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جو کوئی سرکشی سے اسے چھوڑ دیتا ہے اللہ اسے ہلاک کر دیتا ہے اور جو کوئی اس سے اعراض برتتے ہوئے ہدایت کا نحو استگار ہوتا ہے اللہ اسے مگر اہی کے سپرد کر دیتا ہے۔“¹²

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور ساتھ میں یہ بھی اعلان فرمایا کہ اب قیامت تک کوئی نبی یا کتاب نہیں آئے گی۔ اب تمام بنی نوع انسان کو

صرف قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ سے ہی استفادہ کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا اور اسے محفوظ کرنے کے انتظامات بھی کر دیئے۔ جو آج تک جاری ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں مسلمانوں کو قرآن کریم میں تفکر و تدبر کی تلقین کی تاکہ ہدایت کا سامان میسر ہو سکے وہاں یہ بھی فرمادیا کہ یہ کتاب اتنی مشکل نہیں ہے کہ اس سے ہدایت حاصل نہ ہو سکے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ¹³

”اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو تو پھر ہے کوئی سوچنے والا“

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بَلَىٰ هُوَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ¹⁴

”بلکہ یہ تو آیتیں ہیں صاف“

چنانچہ انہی فرامین کا اثر تھا کہ مسلمانوں نے آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو اپنا رہبر بنایا اور پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے ان کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ تفسیر کا سب سے پہلا پیش قیمت سرمایہ تفسیری روایات ہیں جو مختلف کتب حدیث میں منقول ہیں۔ کتب احادیث کے اندر ”کتاب تفسیر القرآن“ کے نام سے الگ سے ایک باب قائم کیا گیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب انہیں کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے کوئی تفسیر نہ ملتی تو وہ خوب اجتہاد کرتے۔ وہ خالص عرب تھے، عربی زبان کو خوب جانتے تھے، اسے اچھی طرح سمجھتے اور اس کی بلاغت کے اسباب کو بھی خوب جانتے تھے۔ تفسیر میں شہرت پانے والے صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضوان اللہ جمعین۔

خلفائے راشدین میں سے سب سے زیادہ تفسیر روایات حضرت علیؓ سے مروی ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہیں۔ ان کے حلقہ درس نے نہایت وسعت حاصل کی۔ ہزاروں شاگرد پیدا ہوئے۔¹⁵

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ سے منقول تفسیر اہمیت کی حامل ہے۔ جمہور علماء کا مذہب تو یہ ہے کہ صحابی کی تفسیر مرفوع روایت کے حکم میں ہے جب کہ اس کا تعلق سبب نزول سے ہو یا پھر اس کا تعلق ایسے معاملے سے ہو جس میں ذاتی رائے نہ دی جاسکتی ہو لیکن وہ امور جن میں ذاتی رائے دی جاسکتی ہو تو ایسی تفسیر موقوف علیہ ہوگی جب تک کہ

اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں کوئی تفسیر مدون نہیں ہوئی بلکہ اس دور میں تفسیر، حدیث کی ایک فرع تھی، اس نے کوئی منظم شکل اختیار نہ کی تھی، بلکہ متفرق آیات کی تفسیر بیان کی جاتی تھی، قرآن کریم کی آیات، سورتوں کی ترتیب اور تسلسل کا اہتمام نہ تھا اور نہ ہی یہ تفسیر پورے قرآن پر مشتمل تھی۔ تفسیر کی تدوین کا کام تو دوسری صدی میں شروع ہوا۔

جس طرح بعض صحابہؓ تفسیر میں مشہور ہوئے اسی طرح بعض تابعین کو بھی اس میدان میں خوب شہرت ملی۔ جنہوں نے صحابہ سے اس علم کو حاصل کیا تھا۔ تفسیر کی کتب میں ان تابعین کے بہت سارے ایسے تفسیری اقوال ملتے ہیں جو انہوں نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کہے تھے۔ یہ وہ امور ہیں کہ جن کے بارے میں انہیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے کوئی بات نہ پہنچی تھی۔ مناع القطان لکھتے ہیں کہ:

”رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ سے تفسیر کے بارے میں جو کچھ منقول ہے وہ پورے قرآن کا احاطہ نہیں کرتا، انہوں نے صرف وہ تفسیر کی ہے جو ان کے ہم عمروں کے لئے مشکل تھی اور جس طرح لوگوں کا بعد عہد نبوی سے بڑھتا گیا ویسے ہی قرآن کریم کے اسرار و غموض سمجھنے میں مشکل بڑھتی گئی، تو تابعین میں سے بعض مفسرین نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح مشکل مقامات میں اضافہ کی وجہ سے تفسیر میں بھی اضافہ ہوا۔ ان کے بعد والے مفسرین نے ان کی پیروی کرتے ہوئے تفسیر قرآن کو مکمل کر دیا۔ ان کا اعتماد عربی لغت اور عربوں کی گفتگو کے سلیقہ پر تھا، نیز انہوں نے ان واقعات پر اعتماد کیا جو نزول قرآن کے زمانے میں پیش آئے تھے اور صحیح سند سے ان تک پہنچے تھے، اس کے علاوہ ان کا اعتماد سمجھ بوجھ کے ساز و سامان اور بحث کے وسائل پر تھا۔“¹⁶

محمد حسین ذہبی لکھتے ہیں کہ صحابہ کی طرح تابعین میں بھی بڑے نامور مفسرین پیدا ہوئے۔ ان میں سے مجاہد، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابو العالیہ، ضحاک اور قتادہ بہت ممتاز ہیں۔¹⁷ عہد تابعین میں تین مدارس تفسیر وجود میں آئے ان میں ایک مدرسہ مکہ میں، دوسرا مدینہ میں اور تیسرا عراق میں۔ ذیل میں ان تینوں مدارس کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) مکہ کا مدرسہ تفسیر

مکہ کے مدرسہ تفسیر کا قیام حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کیا۔ وہ اپنے اصحاب جو کہ تابعین تھے ان کو کتاب اللہ کی تفسیر بیان کرتے تھے، مشکل الفاظ کی وضاحت کرتے۔ ان کے تلامذہ میں سے سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاؤس بن کيسان الیمانی، عطاء بن ابی رباح۔ ان سب کا تعلق موالیوں سے تھا۔ سیدنا ابن عباسؓ سے روایت

کرنے میں بھی ان کے درمیان قلت و کثرت کا فرق پایا جاتا ہے اور ان میں سب سے زیادہ اہمیت عکرمہ کو حاصل ہے، ان کے علم و فضل کے باوجود اہل علم کے درمیان ان کی ثقاہت کے بارے میں اختلاف ہے۔ البتہ ان میں مجاہد کا مقام بلند ہے۔ مجاہد کی تفسیر پر آئمہ مثلاً امام ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام بخاری اعتماد کرتے ہیں۔¹⁸

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قائم کردہ مدرسہ کو ”مدرستہ الحدیث“ کے نام سے جانا جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ان کا انحصار صرف اور صرف احادیث نبویہ ﷺ پر ہی تھا اور اپنی آراء کا استعمال قطعاً نہیں کرتے تھے۔ اس رائے پر دلالت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مرویات سے بھی ہوتی ہے کہ تفسیر کے باب میں آپؓ اپنی آراء کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ نیز یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو یہ فہم آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے دیگر اصحابؓ سے زیادہ عطا فرمایا تھا۔

(۲) مدینہ کا مدرسہ تفسیر

مدینہ میں یوں تو بہت سے صحابہ کرام موجود تھے جو تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ لیکن ان سب میں سے زیادہ شہرت سیدنا ابی بن کعبؓ کو حاصل ہوئی۔ اکثر تابعین نے آپ سے کسب فیض کیا اور بکثرت تفسیری اقوال ان سے سن کر آگے پہنچائے۔ تابعین میں ان کے مشہور تلامذہ زید بن اسلم، ابوالعالیہ اور محمد بن کعب القرظی ہیں۔¹⁹

(۳) عراق کا مدرسہ تفسیر

عراق کا مدرسہ تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قائم کیا۔ عراق میں ان کے علاوہ بھی صحابہ کرام تھے جن سے اہل عراق کسب فیض کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے نمایاں مقام اور شہرت کی وجہ شاید یہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جب حضرت عمار بن یاسرؓ کو عراق کا والی بنا کر بھیجا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا۔ پس اس طرح امیر المؤمنین کے حکم سے آپ اہل عراق کے معلم قرار پائے۔ کوئی ان کے پاس بیٹھتے اور علم حاصل کیا کرتے تھے۔ اہل عراق اہل الرائے کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ اسکی وجہ بیان کرتے ہوئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ابن مسعود وہ صاحب ہیں جنہوں نے عقل سے استدلال کرتے ہوئے مسائل کا حل پیش کیا۔ پھر علمائے عراق نے اس کو روش میں پایا۔ اہل عراق سب سے زیادہ تفسیر قرآن کے اندر رائے اور اجتہاد کا استعمال کیا کرتے تھے۔ ابن مسعود کے مشہور شاگردوں میں علقمہ بن قیس، مسروق، اسود بن یزید، مرۃ اللہمدانی، عامر الشیبی، حسن بصری اور قتادہ بن دعامۃ السدوسی ہیں۔²⁰

تفسیر عصر تدوین میں

اس دور کا آغاز عصر تدوین سے ہوتا ہے۔ اسی دور میں صحیح معنوں میں تفسیر نگاری کی بناء پڑی۔ یہ دور اموی خلافت کے اواخر سے لے کر خلافت عباسیہ کے اوائل تک پھیلا ہوا ہے۔ عصر تدوین سے پہلے تفسیری روایات احادیث نبویہ کے ساتھ مخلوط تھیں۔ حدیث نبوی مختلف ابواب میں منقسم تھی اور ان میں ایک باب تفسیری روایات پر مشتمل ہوا کرتا

تھا۔ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین کے ان تفسیری اقوال کو حدیث کے باب میں جمع کرنے والے افراد میں چند ایک کے نام حسب ذیل ہیں۔

یزید بن ہارون السلمی (م 117ھ)، شعبتہ بن الحجاج (م 160ھ)، وکع بن الجراح (م 197ھ)، سفیان بن عیینہ (م 198ھ)، روح بن عبادۃ البصری (م 205ھ)، عبد الرزاق ابن ہمام (م 211ھ)، آدم بن ابی ایاس (م 220ھ)، عبد بن حمید (م 249ھ) وغیرہ۔²¹

ان کے بعد ایسے اہل علم آئے جنہوں نے تفسیر میں مستقل کتابیں لکھیں اور تفسیر کو حدیث سے الگ ایک مستقل فن بنا دیا۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر تفسیر حدیث نبویہ سے الگ ہو گئی۔ انہوں نے مصحف کی ترتیب کے مطابق قرآن کی ہر آیت اور سورت کی تفسیر کی۔ ان مفسرین میں ابن ماجہ (م 273ھ)، ابن جریر طبری (م 310ھ)، ابو بکر بن منذر نیساپوری (م 318ھ)، ابن ابی حاتم (م 372ھ)، ابو الشیخ بن حبان (م 396ھ)، امام حاکم (م 405ھ) اور ابو بکر بن مردویہ (م 410ھ) وغیرہ۔ ان کی تفاسیر سنداً رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعین کی طرف منسوب ہیں، کبھی کبھار بیان کردہ آراء بعض احکام کے استنباط اور بعض آیات کے اعراب میں ضرورت کے وقت ترجیح کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ ابن جریر طبری نے کیا ہے۔

اس کے بعد مفسرین کی ایسی جماعت آئی جو تفسیر بالماثور تک محدود رہی، لیکن انہوں نے اسناد کو مختصر کر دیا اور مختلف اقوال کی جمع کیا، لیکن ان اقوال کو کہنے والوں کی طرف منسوب نہ کیا جس سے معاملہ مشکوک ہو گیا اور صحیح اور غیر صحیح کی تمیز ختم ہو گئی۔²²

تفسیر عصر تدوین کے بعد

یہ تفسیر کا طویل ترین تاریخی دور ہے جو عباسی خلافت سے شروع ہو کر عصر حاضر تک پھیلا ہوا ہے۔ قبل ازیں تفسیر کا انحصار منقول روایات پر تھا۔ اس دور میں عقل و نقل میں امتزاج و اختلاط کا آغاز ہوا، صرف و نحو اور عربیت سے متعلق علوم مدون ہوئے، فقہی مسالک منظر عام پر آئے اور کلامی مسائل نے سر نکالا۔ عباسی خلافت میں گروہی تعصب آخری حد تک پہنچ گیا۔ مختلف اسلامی فرقے اپنے مخصوص افکار و عقائد کی دعوت دینے لگے۔ منطق و فلسفہ سے متعلق کتب کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سب علوم تفسیر کے ساتھ گھل مل گئے۔ جو شخص کسی علم و فن میں کمال رکھتا تھا اس کی تفسیر اسی علم تک محدود رہ گئی تھی۔

مفسرین نے تفسیر میں اپنے ذاتی فہم کو معیار بنا لیا اور اسی پر اعتماد کرنے لگے، لوگوں نے مختلف جہات اختیار کر لیں، علمی اصطلاحیں، مذہبی عقائد اور فلسفیانہ ثقافتوں نے اپنا رنگ جمایا اور ہر مفسر نے دوسرے علوم سے تفسیر کو بھرنا شروع کر دیا، عقلی علوم والا مفسر اپنی تفسیر میں حکماء اور فلاسفہ کے اقوال نقل کرنے لگا، جیسے فخر الدین رازی، فقہی مفسر

نے فروعی مسائل کا اہتمام کیا جیسے جصاص اور قرطبی، تاریخ سے شغف رکھنے والے مفسر نے قصص اور اخبار کو لکھنے کی کوشش کی جیسے ثعلبی اور خازن، بدعتی مفسرین نے اپنے فاسد مذہب کے مطابق کلام اللہ کی تاویل کی جیسے رمانی اور جبائی، معتزلہ میں سے قاضی عبدالجبار اور زمخشری، امامیہ اثنا عشریہ میں سے ملا محسن اکاش اور صوفیاء میں سے اشاری معانی کا استخراج کرنے والے جیسے ابن عربی۔

اس کے نتیجے میں تفسیر کی کتابوں میں بہت ساری الٹی سیدھی باتیں جمع ہو گئیں۔ جن میں سے بعض فائدہ مند اور بعض نقصان دہ تھیں اور ہر مفسر نے اپنے مذہب کی حمایت اور مد مقابل کی تردید کے لئے آیات کو ایسے معانی مفہوم پر محمول کیا کہ جن کا قرآن کریم متحمل نہ تھا۔²³ تفسیر کے اندر رائے کا دخل کب ہو اس حوالہ سے قاضی ثناء اللہ پانی پتی بیان کرتے ہیں:

”تفسیر کی یہ قسم تفسیری پہلو پر عمدہ پیش رفت کی غماز ہے۔ جب یہ دیکھا گیا کہ محض روایات کے سہارے مضامین کی توضیح و تفسیر کرنا مشکل ہے اور اس سلسلے میں ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع اور محرف روایات اور اسرائیلیات کا سہارا لینا ناگزیر ہے تو مثبت انداز میں آیات قرآنیہ پر تدبر و تفکر کا آغاز ہوا۔ پہلی چیز جسے روایات سے ہٹ کر تفسیری کتب میں سب سے پہلے قبول کیا گیا وہ لغوی معلومات تھیں۔ جنہیں علماء لغات قبیلہ قبیلہ چل پھر کر جمع کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ اس میں توسیع پیدا ہوتی چلی گئی۔ اس توسیع کے نتیجے میں ایک تو وہ تفسیری ادب معرض وجود میں آیا جس میں روایات کا عمل دخل برائے نام رہ گیا جبکہ دوسرا تفسیری ادب جو اس کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا تھا جس میں درایت اور روایت دونوں کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا اس نوع کی تفاسیر میں امام فخر الدین الرازی کی مفتاح الغیب المعروف بہ ”تفسیر کبیر“ سب سے نمایاں ہے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ تفسیر میں منطق و فلسفہ کا بے دریغ استعمال کیا۔ اسی بناء پر بعض علماء نے اس کی افادیت کو مشکوک قرار دیا ہے تاہم بعض پہلو بلاشبہ اعلیٰ تحقیق کے معیار پر پورا اترتے ہیں۔“²⁴

تفسیر بالرائے کے آغاز سے متعلق دکتور مسعود مسلم لکھتے ہیں:

”وهذه الدراسات وامثالها كانت اولی بوادر ضوابط التفسیر وان اخذت شكلاً لغویاً فهي لولا القرآن لم تقم۔ فقد ابتدأت في عصر الصحابة واستمرت الي العصر العباسي ثم تخللته في جميع عصوره۔ وهذا بلا شك من مواد علم اصول التفسیر ومن هنا نستطيع ان نبين الطريق الذي سار فيه المفسرون الاوائل فقد ظهر منها ان التفسیر لم يكن يخوض فيه العلماء خبطا عشوائيا وانما وبدت ضوابطه معه وصنف فيها قبل تصنيف التفاسیر الكاملة۔“

فتدوین علوم القرآن والتفسیر کان فی اواخر عصر التابعین ای فی آخر عهد بنی امیة و هذه المدونات التي ذكرنا منها امثلة يسيرة قبل العصر العباسي تدل دلالة واضحة على ان تدوين القواعد والضوابط التي تحكم المفسر وتسير في القرآن برأيه- ويقتصر على ما روي عن الرسول ﷺ ومنهم من لا يري باساً بذلك إذا لم يجد في الآية حديثاً يفسرها-“²⁵

دکتور مساعد مسلم کی اس بحث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علوم القرآن اور علم تفسیر کی تدوین عہد تابعین کے آخر میں یعنی عہد بنی امیہ کے آخر میں ہوئی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عہد صحابہؓ کے اندر اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ البتہ یہ بات عیاں ہے کہ اس دور میں کیا جانے والا کام تحریری طور پر بعد میں آنے والے مفسرین کی کتب میں یکجا ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ عہد عباسی سے پہلے کی جن چند کتابوں کا ہم نے بطور مثال تذکرہ کیا ہے ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جن قواعد و ضوابط سے ایک مفسر کی رائے کو تقویت ملتی ہے ان کی تدوین ہو چکی تھی۔ بعض علماء تو جب قرآن کی تفسیر میں کوئی حدیث نہ پاتے تو رائے سے تفسیر کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ کرتے تھے۔

دکتور مساعد مسلم مزید لکھتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کا آغاز صحابہ کرام کے دور ہی سے ہو گیا تھا بعد میں اس میں وسعت آتی چلی گئی رقمطراز ہیں:

”ومن مظاهر تقديس المسلمين للتفسير الماثور وترددهم في مزاوله التفسير بالرائه تحول مدرسة عبدالله بن عباس الى التفسير الماثور مع انها ابتدأت كما اسلفنا تفسيراً بالرائه وان ابن عباس رضى الله عنه كان احبر الصحابة الكرام على النصوص القرآنية تفسيراً وتاويلاً بما آتاه الله سبحانه من ذكاء ثاقب وببركة دعوة الرسول ﷺ بقول ”اللهم علمه التاويل وفقهه في الدين“ التي خلفت عنده القدرة على التفسير والثقة بالنفس وقد زاول تلاميذه كقتاده ومجاهد التفسير بالراى معتمدين على ما ورثوه من علم عبدالله بن عباس وما توصلت اليه عقولهم من اجتهادات معتمدين على اللغة والثقافة الشرعية والعامه فيما لم يرد فيه اثر عن الرسول ﷺ او الصحابة الكرام رضوان الله اجمعين وقد تاخر ظهور تفسير كامل لجمع آيات القرآن الكريم معتمد على الراى حاذفاً الاسناد-“²⁶

مسلمانوں کے ہاں تفسیر بالماثور کی عظمت اور تفسیر بالرائے کی پریکٹس میں ان کے تردد کا ایک مظہر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا تفسیری مکتب ہے۔ یہ مکتب بنیادی طور پر تفسیر بالماثور ہی کا مرکز تھا مگر اس کے ساتھ اس نے تفسیر بالرائے کا آغاز بھی کیا جیسے ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں۔ قرآنی کی نصوص کی تفسیر و تاویل میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ تمام صحابہ سے بڑے عالم تھے۔ کیونکہ ان کے حق میں نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔ ”اے اللہ! اس کو قرآن کی تاویل اور دین میں فقہت کا علم عطا فرما عطا فرما۔“ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں روشن دماغ عطا

فرمایا اور آپ ﷺ ہی کی دعا نے انہیں علم تفسیر میں مہارت اور خود اعتمادی کی صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے قتادہ اور مجاہد نے آپؓ سے جو علمی ورثہ پایا اس کی روشنی میں تفسیر بالرائے کی پریکٹس کی، اسی طرح جن آیات کی تفسیر میں ان کو رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کرامؓ کی کوئی روایت نہ ملی وہاں انہوں نے لغت عربی اور دینی و عمومی ثقافت کو بنیاد بناتے ہوئے اپنے عقلی اجتہادات کی روشنی میں تفسیر بالرائے کی۔

تفسیر بالرائے کے آغاز سے متعلق دکتور عبدالمنعم النمر لکھتے ہیں:

”کتب اخری لم ینح اصحابہا منجی الطبری واخوانہ بل سلکوا طریقا آخر وکانوا ممن یمیلون للاعتماد علی العقل والرأی وعرفت هذه الكتب باسم ”التفاسیر بالرأی“ وهذا یعنی عندهم عدم الاعتماد الکلی او غالباً علی الروایات وسردھا بل الاعتماد علی التصرف العقلي واللغوي والبلاغي والعلمي في استخراج معاني الآيات۔۔۔ مع ما صح عند المفسر

واختاره من روايات

للاستشهاد بها، وكان من هؤلاء الذين نحووا هذا لمنجی المعتزلة۔۔۔ لكنهم تغالوا في الاعتماد علی الرأی، حتی انزلوا القرآن علی مذہبهم الاعتزالي، واشتطوا في التأويل۔۔۔ فمنهم من عني بإعراب القرآن واستخراج معانيه عن هذا الطريق كالزجاج ”القرن الثالث الهجري“ صاحب كتاب ”معاني القرآن واعرابه“ ومنهم من عني بالوجه البلاغي للقرآن، فبني تفسيره علی هذا الاتجاه مثل ”تفسير الكشاف“ لجار الله محمود بن عمر الزمخشري (۷۶۴-۸۳۵)۔

وبدا اهل السنة في العمل في مجال التفسير وغيره بقوة، فكان من ذلك مؤلفات في التفسير وغيره لعلماء في المغرب والمشرق۔۔۔ لا سيما بعد ان اقبلوا علی بضاعة المعتزلة من علم المنطق والفلسفة وغيرهما، ليتخذوا منها اسلحة لبيان معاني القرآن، ولتأييد آرائهم۔۔۔ وللدرد علی مخالفهم۔ وفي هذا الجو ظهر الامام فخرالدين محمد بن عمر بن الخطيب الرازي الشافعي۔ وقدّم فيما قدم من مؤلفات تفسيره الذي سماه ”مفاتيح الغيب“ فكان اساساً وعمدة لأهل التفسير بالرأی من غير المعتزلة، كما كان الطبري اساساً وعمدة لأهل التفسير بالمأثور۔

ومثل هذا حدث في الفقه ايضاً حيث ظهرت مدرستان فقيهتان مدرسة الحديث ومدرسة الرأی، واشتهر عن مالك من مؤسس المدرسة الأولى في المدينة، وعن ابي

حنيفة انه مؤسس المدرسة الثانية في العراق۔²⁷

دیگر کتابوں کے مصنفین نے طبری وغیرہ کے منہج کو اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا، یہ وہ لوگ تھے جو رائے اور عقل پر اعتماد کرنے کی طرف میلان رکھتے تھے، ان اصحاب کی کتابیں ”تفاسیر بالرائے“ کے نام

سے معروف ہوئیں۔ ان کے ہاں روایات کے نقل و بیان میں کلی طور پر یا عام طور پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ آیات سے مختلف معانی کے استخراج کے لیے ان کا اعتماد عقل، لغوی، بلاغی اور علمی تصرفات پر تھا۔ اس منہج کو اختیار کرنے والوں میں سے معتزلہ بھی تھے۔ مگر انہوں نے رائے پر اعتماد کرنے میں اتنا غلو کیا کہ قرآن کو اپنے معتزلی عقائد و نظریات کے مطابق ڈھال دیا اور تفسیر قرآن میں تاویلات کیں، اس طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے ان میں سے بعض نے اعراب القرآن اور اس کے معانی کے استخراج میں خصوصی توجہ کی۔ جیسے تیسری صدی ہجری کے عالم زجاج نے یہ کام کیا۔ جن کی کتاب کا نام ”معانی القرآن و اعرابہ“ ہے۔ بعض معتزلی علماء نے قرآن میں مذکور بلاغی وجوہات کو بنیاد بنا کر تفسیر لکھی۔ جیسے علامہ زمخشری کی ”الکشاف“ ہے۔

اہل سنت میں تفسیر اور دیگر علوم میں بڑی قوت سے کام کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں شرق و غرب کے علماء کی بہت سی کتب منظر عام پر آئیں، بالخصوص ان کتابوں میں قابل قدر اضافہ تب ہوا جن انہوں نے قرآن کے معانی کی وضاحت، اپنی آراء کی تائید اور مخالفین کے رد کے لیے علم منطق و فلسفہ پر مشتمل معتزلہ کی کتب کی طرف توجہ کی، چنانچہ اسی علمی فضاء میں امام فخر الدین محمد بن عمر بن خطیب رازی شافعی کا ظہور ہوا جنہوں نے ”مفتاح الغیب“ کے نام سے اپنی تفسیر پیش کی۔ جس طرح امام طبری کی تفسیر بالماثور میں اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح امام رازی کی یہ کتاب تفسیر بالرائے میں اساس اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔

اسی طرح فقہ میں دو مکاتب فکر کا ظہور ہوا، ایک کا نام ”مدرسة الحديث“ اور دوسرے کا ”مدرسة الرأى“ تھا۔ مدینہ میں پہلے مکتب فکر کے بانی کی حیثیت سے امام مالک کی، جبکہ عراق میں دوسرے مکتب فکر کے بانی کی حیثیت سے امام ابو حنیفہ کی شہرت ہوئی۔

علامہ ابو زہرہ رقمطراز ہیں:

”ولذلك كان هذا المسلك مسلک الذين حاولوا تعرف اعجاز القرآن وعلی راسهم الامام جارالله الزمخشري ومن قبله كان الامام الطبري عند ما كان يبدي رايه بعد ان يسرد من الروايات الصحيح والسقيم۔ والامام حجة الاسلام الغزالي كان ممن سلكوا ذلك المنهاج واثبت بالأدلة العلمية ان التفسير بالرأي من غير مناقصة للسننة جائز۔“²⁸

اس لیے یہ طریقہ ان لوگوں نے اختیار کیا جنہوں نے اعجاز القرآن کی معرفت کی کوشش کی، ان کے سرخیل امام جار اللہ زمخشری ہیں، ان سے پہلے امام طبری تھے جو صحیح و ضعیف تمام روایات بیان کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، اسی طرح حجة الاسلام امام غزالی نے بھی اسی منہج کو اختیار کیا اور علمی دلائل سے ثابت کیا کہ تفسیر بالرائے اگر سنت کے مخالف نہ ہو تو جائز ہے۔

مندرجہ بالا روایات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تفسیر کے اندر رائے کا استعمال عہد صحابہؓ ہی سے شروع ہو گیا تھا البتہ ان کی روایات کو ”اثر“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ پھر جوں جوں اسلامی سلطنت کا دائرہ کار مدینہ سے کوسوں دور پھیلتا چلا گیا اور عجم کے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور ساتھ میں عہد نبوی اور عہد صحابہ سے بعد پیدا ہونے لگا تو مسائل کے حل کے لیے ”اجتہاد“ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والی تفسیری روایات کے اندر رائے کا استعمال بھی بڑھتا چلا گیا۔ جہاں تک ان روایات کو ضبط تحریر میں لانے کا تعلق ہے تو پہلی صدی ہجری ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اور تفسیر قرآن کے بارے میں زبانی روایتیں جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور تابعین سے منسوب کی جاتی تھیں مسلمانوں میں بڑی کثرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس وقت ان روایات کو قلم بند اور مدون کرنے کو اکثر علماء ناپسند کرتے تھے۔ دوسری صدی ہجری میں جب تدوین کا کام شروع ہوا تو تلاوت کے بارے میں جو روایات مروی تھیں انہیں بعد میں علوم القرآن کا نام دیا گیا۔ وہ روایات جو رسول اللہ ﷺ کے عمل، آپ ﷺ کے اقوال سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کو علم الحدیث کے تحت رکھا گیا اور وہ روایات جو قرآن کی تشریح و توضیح کے بارے میں تھیں وہ علم التفسیر کے تحت آگئیں۔ ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ:

”سعید بن جبیر (م 94ھ / 712ء) نے عبد الملک بن مروان کی درخواست پر تفسیر کی ایک کتاب

لکھی تھی۔“²⁹

تفسیر کی پہلی کتاب سعید بن جبیر نے لکھی ہو یا ابن جریج نے بہر حال ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہی۔ دراصل مقاتل بن سلیمان (م 150ھ / ۷۶۷ء) ہی کی پہلی کتاب ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ ابن ندیم کا کہنا ہے کہ یحییٰ بن زیاد الفراء (م 207ھ / 8۲۲) پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کی مکمل تفسیر لکھی۔³⁰

تفسیر کی ان قدیم کتب کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی رائے کا استعمال کیا گیا ہے چاہے وہ تفسیر بالمأثور کی مشہور کتاب تفسیر طبری ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ ان میں غالب حصہ احادیث اور اقوال صحابہؓ کا ہے۔ جبکہ متاخرین کی کتب تفاسیر میں رائے کا استعمال بڑھتا چلا گیا جس کی وجہ سے علماء کے اندر دو گروہ پیدا ہوئے۔ ان کے اختلاف کی حقیقت یہی ہے کہ رائے کا استعمال اگر احادیث اور اقوال صحابہؓ کے ضمن میں کیا جائے تو درست شمار ہو گا اور اگر ان سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف رائے کا استعمال کیا جائے تو وہ مذموم ہو گا۔ نیز یہ کہ رائے کا استعمال عہد صحابہؓ ہی سے شروع ہو گیا تھا اگرچہ صحابہؓ کے اقوال کو اثر کہا جانے لگا جوں جوں عہد نبوی ﷺ سے بعد ہوتا چلا گیا تفسیر کے باب میں رائے کا استعمال بھی بڑھتا چلا گیا۔ اس لیے اگر دیکھا جائے تو عملاً تفسیر بالرائے کا عہد صحابہؓ ہی میں ہو گیا تھا۔

حواشى وحواله جات

- 1- ابن منظور افريقى، جمال الدين محمد بن كرم بن منظور، ابى الفضل، لسان العرب، دار صادر بيروت، سن، ٥/٥٥؛ فيروز آبادى، محمد بن يعقوب، مجد الدين، القاموس المحيط، دار احياء التراث العربى، بيروت، لبنان، ١٤١٢هـ / ١٩٩١ء، ١/٦٣٦؛ الزبيدى، محمد مرتضى، محب الدين، ابى فيض، السيد، الحسين، تاج العروس من جواهر القاموس، تحقيق على شيرى، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان، ١٤١٤هـ / ١٩٩٤ء، ٧/٣٤٩
- 2- لسان العرب، ٥/٥٥
- 3- احمد بن حنبل، ابو عبد الله، الشيبانى، مسند احمد، مؤسسة قرطبة مصر، سن، حديث نمبر: 2393/1، 439
- 4- الزرقانى، محمد عبد العظيم، مناهل العرفان فى علوم القرآن، دار احياء التراث العربى، سن، ١/٤٧٩
- 5- سيوطى، جلال الدين عبد الرحمن بن ابى بكر، الاتقان فى علوم القرآن، تحقيق احمد بن شعبان بن احمد، مكتبة الصفا، ١٤٢٧هـ / ٢٠٠٦ء، ٢/٥٨٢
- 6- مناهل العرفان، ٢/١٠
- 7- ابوداؤد، سليمان بن الاشعث، سنن ابى داؤد، دار الفكر، بيروت، سن، كتاب العلم، حديث: 3652/2، 344
- 8- قرطبى، ابو عبد الله، محمد بن احمد، تفسير قرطبى، دار الشعب، القاهرة، سن، ١/٣٢-٣٣
- 9- ابراهيم: ١٤/٤
- 10- يوسف: ١٢/٢
- 11- الشعراء: ٢٦/١٩٢-١٩٥
- 12- الترمذى، ابى عيسى محمد بن عيسى بن سورة، الجامع الصحى وهو سنن الترمذى، تحقيق ابراهيم عطوه، مكتبة مصطفى البابى الحلبي واولاده مصر، ١٣٩٥هـ / ١٩٧٥ء، كتاب فضائل القرآن، باب فضل القرآن، ٥/١٧٢
- 13- القمر: ٥٤/١٧
- 14- العنكبوت: ٢٩/٤٨
- 15- مناع القطان، مباحث فى علوم القرآن، مكتبة المعارف للنشر والتوزيع رياض، ١٤٢١هـ / ٢٠٠٠ء، ص ٣٤٧
- 16- ايضاً: ص ٣٤٩
- 17- ذهبى، محمد حسين، الدكتور، التفسير والمفسرون، دار الحديث، القاهرة، الطبع ١٤٢٦هـ / ٢٠٠٥ء، ١/٩٢
- 18- التفسير والمفسرون، ١/٩٣؛ مباحث فى علوم القرآن، ص ٣٥٤
- 19- التفسير والمفسرون، ١/١٠٤
- 20- ايضاً، ١/١٠٧-١٠٨
- 21- ماخوذ از التفسير والمفسرون، ١/١٢٧-١٢٨؛ مناع القطان، مباحث فى علوم القرآن، ص ٣٥١
- 22- مناع القطان، مباحث فى علوم القرآن، ص: ٣٥٢
- 23- ماخوذ از التفسير والمفسرون، ١/١٣٢-١٣٤؛ مناع القطان، مباحث فى علوم القرآن، ص ٣٥٢-٣٥٣

- 24۔ ثناء اللہ، پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری، مترجم مولانا سید عبدالداؤد جلالی، خزینہ علم و ادب لاہور، سن، 1/19
- 25۔ مسعود مسلم عبد اللہ، آل جعفر، اثر التطور الفکری فی التفسیر فی العصر العباسی، مؤسسۃ الرسالۃ، سن، ص 71-72
- 26۔ ایضاً، ص 93-94
- 27۔ عبد المنعم النمر، الدكتور، علم التفسیر کیف نشا و تطور حتی انتھی الی عصرنا الحاضر، دار الکتب الاسلامیہ، بیروت لبنان، الطبعة الاولى، 1405ھ / 1985ء، ص 91-95
- 28۔ محمد ابو زہرہ، امام، المعجزة الکبریٰ القرآن، دار الفکر العربی قاہرہ، سن، 1/415
- 29۔ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر، ابو الفضل، تہذیب التہذیب، حیدرآباد دکن، طبع ہند، 1426ھ، 7/198-199
- 30۔ ابن ندیم، محمد بن ابی یعقوب، بغدادی، الفہرست، مکتبہ رحمانیہ، 1348ھ، ص 99